ڈیجیٹل ایڈیشن

مولانا ثنا اللہ امرتسری ؒ

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی ؒ

مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی ؒ

تحریک پاکستان

میں

علمائے اہل حدیث

کی

خدمات

عبدالرشید عراقی ؒ

السلفیہ
پبلیکیشنز

تحریکِ پاکستان میں علمائے اہلِ حدیث کی خدمات

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ

مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ

عبدالرشید عراقی حفظہ اللہ

سلفیہ پبلیکیشنز

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ دو چار برس کی بات نہیں، بلکہ کئی سال گزر گئے منصوبے بناتے، انہیں ادھورا چھوڑتے، اور پھر زندگی کے ہجوم میں کہیں کھو جاتے۔ زیرِ نظر کتابچہ بھی نوجوانی اور تنظیمی زندگی میں بنائے گئے ایک خواب اور منصوبے کی ایک کڑی ہے۔

اس کتابچے سے متعلق جنابِ عبد الرشید عراقی رحمہ اللہ کی دلچسپی، جذبے اور تڑپ کا اندازہ ہمیں فیس بک پر ایک پوسٹ کے ذریعے ہوا، جو برادر عزیز مولانا ابراہیم محمدی صاحب حفظہ اللہ کے توسط سے سامنے آئی۔ افسوس کہ عراقی صاحب اب ہم میں نہیں رہے۔

اللہ تعالیٰ اُن کے حسنات کو قبول فرمائے، اُن کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ، وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ،

میں دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جناب قاری امیر حمزہ صاحب (فیصل آباد) کا، جنہوں نے یہ قیمتی مضمون فراہم کیا۔ اسی طرح، اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کے عمل میں برادران محسن لیاقت اور انس اقبال گجر نے تکنیکی معاونت فراہم کر کے اہم کردار ادا کیا۔ عالی جناب حافظ شاہد رفیق صاحب حفظہ اللہ وقتاً فوقتاً قیمتی رہنمائی فراہم کرتے رہے، جس سے ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس برقرار رہا۔

اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور یہ سلسلہ خیر ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

چودھری ظہیر انبالوی

اسلام آباد

۸ مئی ۲۰۲۵

تحریکِ پاکستان میں علمائے اہلِ حدیث کی خدمات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تحریک آزادیِ ہند میں علمائے کرام نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا تھا جس کے باعث عوام میں جوش وخروش پیدا ہوا۔ علمائے کرام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے عوام کو آزادی کے مفہوم سے آگاہ کیا۔ اس سلسلے میں علمائے اہلِ حدیث کی خدمات بھی قابلِ قدر ہیں۔ علمائے اہلِ حدیث نے بھی تقریر وتحریر کے ذریعے مسلمانوں میں جذبہ پیدا کیا اور ملکی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

تحریک پاکستان کے سلسلے میں جماعت اہلِ حدیث کے مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مرحوم اور مولانا سید محمد داود غزنوی مرحوم کی خدمات تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ اس مقالے میں ان کی سیاسی خدمات کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔

عبدالرشید عراقی

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

مولانا ثناء اللہ مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اللہ تعالیٰ نے بیک وقت بہت سی خوبیاں ان میں جمع کر دی تھیں۔ وہ مفسّر تھے، عالم تھے، متکلم تھے، صحافی تھے اورفن مناظرہ کے تو امام تھے۔عیسائی، قادیانی، شیعہ، آریہ، بریلوی، اہلِ بدع سبھی ان سے مناظرہ کرنے سے بدکتے تھے۔ انھوں نے اپنی ان تمام گونا گوں حیثیات سے مسلک اہلِ حدیث کو فائدہ پہنچایا۔ اور اپنے واحد اہلِ حدیث اخبار کے ذریعہ تحریک اہلِ حدیث کو بلندیوں پر پہنچا دیا۔

یہ تحریک اہلِ حدیث کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو ان جیسا وسیع العلم، وسیع النظر اور وسیع المطالعہ عالم اور فعال کارکن وسرگرم مبلغ و مفادمل گیا جس نے اپنی تصنیفات، مضامین اورتحریروں سے تحریک اہلِ حدیث میں ایک زبردست طاقت بھر دی جس سے ہندوستان کے بڑے بڑے مذاہب کے نظامات متزلزل ہوگئے۔ آپ پوری نصف صدی تک ہر اس قوت کے سامنے سینہ سپر رہے جو اسلام، شارعِ اسلام اور حاملینِ اسلام پر حملہ آور ہوتی رہیں اور بقول علامہ سید سلیمان ندوی (۱۳۷۳ھ) اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔ ان کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا۔

علامہ سید رشید رضا مصری (م۱۳۵۴ھ) نے لکھا تھا۔ مولانا ثناء اللہ برصغیر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں۔ اور ان کی خدمات ان کے زہد وتقوے کو دیکھ کر ایک آدمی کہہ سکتا ہے کہ وہ عام آدمی نہیں بلکہ اجلِ الٰہی ہیں۔

آپ (۱۲۸۷ھ۔ ۱۸۶۸ء) امرتسر میں پیدا ہوئے۔ 7 سال کی عمر میں سایہ پدری سے محروم ہوگئے۔ ان کا آبائی پیشہ رفوگری تھا۔ اس لیے آپ نے اپنا پیشہ اختیار کیا۔ ایک بزرگ عالم نے پڑھنے کی ترغیب دی، چنانچہ آپ نے رفوگری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ گویا

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی

14 سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدائی تعلیم مولانا احمداللہ امرتسری (م ۱۳۳۶ھ) سے حاصل کی۔ بعد ازاں شیخ پنجاب مولانا حافظ عبد المنان محدث وزیر آبادی رحمہ اللہ (م ۱۳۳۴ھ) کی خدمت میں حاضر ہوکر کتبِ درسیہ پڑھ کر سند حاصل کی۔ (۱۳۰۷ھ۔ ۱۸۸۹ء) میں وزیر آباد سے فارغ ہوکر حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۳۲۰ھ) کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ اور مولانا حافظ عبد المنان صاحب محدث وزیر آبادی رحمہ اللہ کی سند دکھا کر اجازت تدریس حاصل کی اس کے بعد دیو بند حاضر ہوئے اور مولانا محمود الحسن دیو بندی رحمہ اللہ اسیر مالٹا (م ۱۳۳۹ھ) سے بھی کتبِ درسیہ معقول ومنقول پڑھیں۔

دیو بند سے کان پور پہنچے اور مدرسہ فیض عام کان پور کے صدر مدرس مولانا احمد حسن سے بھی پڑھا۔ (۱۳۱۷ھ۔ ۱۸۹۲ء) میں کان پور سے فراغت پائی۔ اسی سال یعنی (۱۳۱۷ھ۔ ۱۸۹۲ء) میں مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ (م ۱۳۳۲ھ) کی صدارت میں جو جلسہ ہوا تھا اور ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی تھی، اس میں مولانا ثناء اللہ مرحوم ایک بنیادی رکن کی حیثیت سے شامل ہوئے تھے اور بقول علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ سب سے کم عمر رکن تھے۔

تحصیلِ علم کے بعد تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور جس مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں آپ نے تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ اسی مدرسہ میں آپ کا تقرر بحیثیت صدر

مدرس ہوا۔ (۱۹۰۰ء) میں آپ نے تدریس کے شعبہ سے علاحدگی اختیار کی اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم اوائل عمری سے مختلف مذاہب اور مکاتبِ فکر کے عقائد و خیالات کی تحقیق و ریسرچ کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔اس لیے تدریسی و تصنیفی مصروفیات کے باوجود اہلِ باطل کی تردید و بیخ کنی کا بیڑہ اٹھایا۔ چنانچہ آپ اپنے اسی مشن میں پوری طرح کامیاب و کامران ہوئے۔ آپ نے جس فضاء میں آنکھ کھولی تھی اس وقت اسلام کے تین دشمن اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور نظر آرہے تھے۔ ① آریہ ② عیسائی ③ قادیانی۔

آریہ:

جو ماضی قریب کی پیداوار تھے۔ اور سرزمین ہند سے اسلام کا نام ونشان مٹا دینے کا عزم رکھتے تھے۔

عیسائی:

جنہوں نے (۱۸۵۷ء) میں مکمل سیاسی غلبہ حاصل کر لینے کے بعد اسلامی افکار وعقائد کے خلاف زہر افشانی شروع کر رکھی تھی۔

قادیانی:

جو سامراج کا خود کاشتہ پودا تھے جن کے سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ اور ان کے تازہ دعویٰ مسیحیت نے اسلامی حلقوں میں ایک اضطراب پیدا کر دیا تھا۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے ان تینوں فرقہ ہائے باطلہ کے خلاف قلم اٹھایا اور آپ ساری زندگی کامیابی کے ساتھ چومکھی لڑائی لڑتے رہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔

ان کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عرصبر کر دی۔'' (یاد رفتگان، ص: ۴۱۸)

مولانا ثناء اللہ مرحوم کی تحصیلِ علم کا مقصد صرف یہ تھا کہ مذہبِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی جائے۔ اس کے حفظ و بقاء کے سلسلے میں ہر قسم کی تحریری وتقریری مدافعت کی جائے اور کتاب وسنت کو زندہ و باقی رکھا جائے۔ کتاب وسنت کے احیاء و بقاء کے لیے آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی اور اس کے ساتھ شرک وکفر کی تردید اور بدعات ومحدثات کا استیصال بھی کیا۔ مولانا نے ان مقاصد کے حصول کے لیے قلم وقرطاس کا نہایت موثر استعمال بھی کیا۔ ذاتی اخبارات میں مدلل علمی مقالات کے علاوہ آپ کی تصانیف نے مذاہبِ باطلہ کی بیخ کنی کی اور ان کے استیصال میں نہایت جاندار اور بھرپور کردار ادا کیا۔ مولانا ثناء اللہ نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور آپ کی تصانیف ایک بہترین علمی وتحقیقی مواد پر مشتمل ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد 131 ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- تفاسیر قرآن مجید 7
- تردید عیسائیت 6
- تردید آریہ 32
- تردید قادیانیت 36
- در تذکار تقلیدیان احناف 11
- حمایت اہلِ حدیث 5
- تنقیدی کتب 10
- عامتہ المسلمین اور اسلامی کتب 9
- علمی وادبی تصانیف

ملتِ اسلامیہ کو متحد کرنے اور اسلام کے حفظ و بقاء کے لیے یہ ضروری تھا کہ برصغیر میں ایک ایسی نمایندہ اوراجتماعی قیادت کا قیام عمل میں لایا جائے جو زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل راہنمائی کے اہلیت رکھتی۔ اس مقصد کے لیے آپ نے آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کی تنظیم کی۔ ندوۃ العلماء کا قیام تو عمل میں آچکا تھا۔ جنگِ عظیم اول (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے بعد مسلمان عمائدین نے محسوس کیا کہ ایک دینی وسیاسی قیادت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں آپ کی تحریک پر دہلی میں ہر مکتب فکر کے علماء کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں کثرتِ رائے سے جمعیۃ العلماء کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ اور آپ ہی کی تحریک پر دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں جمعیۃ العلماء کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۲ھ) نے کی۔ مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۹ھ) اس اجلاس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اب مجلس میں داخلے کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے پہلو میں مولانا ثناء اللہ تشریف فرما ہیں۔ اور صدارت کے فرائض زبر دستی خود انجام دے رہے ہیں اور مولانا ثناء اللہ مفتی صاحب کو بولنے نہیں دیتے تھے۔ اور مداخلت کا گویا ٹھیکہ لیے بیٹھے ہیں۔'' (ذکر آزاد، ص: ۱۷۶)

برصغیر کی سیاست میں مولانا ثناء اللہ مرحوم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ابتداء میں انڈین نیشنل کانگریس ملک کی واحد نمایندہ جماعت تھی جس میں ہندو اور مسلمان سب شامل تھے۔ اس لیے مولانا امرتسری رحمہ اللہ بھی ابتداءً کانگریس میں شامل ہوئے اور تحریک آزادی کے سلسلہ میں ایک اہم کردار کیا۔ ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں نے اپنی علاحدہ جماعت مسلم لیگ کی تشکیل کی اور بہت سے مسلمان لیڈر کانگریس سے علاحدگی اختیار کر کے مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ ہندو کانگریسی لیڈر مخلص نہ تھے اور مسلمان

عمائدین کا اولین مقصد حصولِ آزادی کے ساتھ ساتھ اسلامی اقتدار اور نظامِ شریعت کا قیام تھا۔ خود مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا مطمحِ نظر بھی یہی تھا، اس لیے آپ نے بھی کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

۱۹۱۹ء میں امرتسر ہندوستان میں سیاسیات کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ۱۳؍ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں جلیانوالہ باغ میں ایک خونی ڈرامہ کھیلا گیا جس میں ہزاروں مسلمانوں اور ہندوؤں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ اس خونی ڈرامے سے تحریکِ آزادی کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ ظلم و تشدد کے خلاف عوام نے علمِ بغاوت بلند کیا، جلیانوالہ باغ کے شہیدوں نے اپنے خون سے آزادی کی شمع روشن کی، جلیانوالہ باغ کی قیامت کے بعد امرتسر میں تین بڑی سیاسی جماعتوں: خلافت، کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ جلسے منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ امرتسر میں یہ سیاسی اجتماعات اس شان و شوکت سے ہوئے کہ چشم فلک نے ایسا نظارہ کم دیکھا ہوگا۔

ہندوستان کے سب سیاسی راہنما ان جلسوں میں موجود تھے مگر علی برادران (مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی) کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، یہ دونوں بھائی اسیر تھے۔ مسلم لیگ کے اجلاس کے پہلے روز مولانا ثناء اللہ صدرِ مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے خطبہ پڑھ رہے تھے کہ تار سے اطلاع ملی کہ علی برادران رہا کر دیے گئے ہیں اور وہ جلسہ میں شرکت کے لیے امرتسر آ رہے ہیں، جلسہ کے صدر مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے یہ تار حاضرین کو سنایا اور فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔

علی برادران ان دِنوں بے تاج بادشاہ تھے اور لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے تھے وہ امرتسر پہنچے تو ان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔

مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی اجلاس میں تشریف لائے۔ قرآن پاک کی تلاوت کے بعد حکم مشرقِ علامہ اقبال کھڑے ہوئے اور انھوں نے علی برادران کے

خیر مقدم میں یہ اشعار پڑھے:

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندان صدف سے ارجمند
مشک اذفر چیز کیا ہے، اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت، مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام وقفس سے بہرہ مند
"شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند

(کلیات اقبال، ص۳۵۴)

اس اجلاس مولانا محمد علی نے خطاب کیا اور اسی اجلاس میں قائد اعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا، مسلم لیگ کا یہ جلسہ انتظامات اور دیگر کارکردگی کے اعتبار سے بہتر تھا۔ مسلم لیگ کا جلسہ ختم ہوا تو تمام اکابر نے انتظامات پر مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کو مبارکباد دی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ مجلسِ استقبالیہ کے صدر تھے۔ آپ نے مسلم لیگ اور دوسری جماعتوں کے جلسوں کو کامیاب بنانے میں بڑا حصہ لیا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ جہاں ایک ممتاز عالمِ دین، مناظر اور صحافی تھے مگر مسلم لیگ کے جلسے کے بعد یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ مولانا ایک بہت بڑے منتظم بھی ہیں۔

صدر استقبالیہ کی حیثیت سے ان کا خطبہ شاہکار کی حیثیت رکھتا تھا۔ میں ترکی کی شکست کے بعد مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں مولوی فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا مگر مولوی فضل الحق نے خطبہ صدارت کے بجائے پر جوش تقریر کی۔ ڈاکٹر انصاری کا خطبہ استقبالیہ ضبط کر لیا گیا۔ اس اجلاس میں مسلم اکابرین کے علاوہ ملک

کے ممتاز علمائے کرام نے بھی شرکت کی۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ بھی اس اجلاس میں شریک تھے اور آپ نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس میں آپ نے ترکی کو ہندی مسلمانوں کی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔

۱۹۲۰ء میں ہندوستان بھر سے ہندو اور مسلم لیڈروں کا ایک نمایندہ وفد وائسرائے سے ملا تو اس میں بھی مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ شامل تھے، اس وفد میں گاندھی جی، مولانا محمد علی، پنڈت نہرو، حکیم اجمل خاں اور قائد اعظم محمد علی جناح شامل تھے۔ اس وفد نے وائسرائے سے ترکی اور خلافت کے بارے میں مطالبات کیے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مولانا کا سیاست میں کس قدر مقام تھا۔

مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ نے مسلم لیگ سے ایسا رشتہ جوڑا کہ زندگی کے آخری لمحات اسی جماعت سے وابستہ رہے، سیاست میں مختلف ادوار آئے مگر ان کی مسلم لیگ سے وابستگی میں کچھ فرق نہ آیا۔ مسلم لیگ سے پہلے آپ کانگریس سے وابستہ تھے مگر نہرو پورٹ کے بعد آپ کے لیے کانگریس میں رہنے کی گنجایش نہ تھی۔ اس لیے آپ نے کانگرس سے رشتہ توڑ دیا، اور آپ کی تمام ہمدردیاں مسلم لیگ سے وابستہ ہوگئیں۔

۱۹۳۰ء میں اللہ آباد میں جب علامہ اقبال نے اسلامی ریاست پاکستان کا تصور پیش کیا تو مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ نے اپنے اخبار ''اہلِ حدیث'' میں اس کی پرجوش حمایت کی اور کئی مقالات اس کی تائید میں لکھے۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے قرارداد پاکستان منظور کر کے اپنی منزل متعین کرلی تو مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ بڑے مسرور و شادمان تھے۔ ان کی تمام تر صلاحیتیں مسلم لیگ کے لیے وقف تھیں۔

وہ اخبار ''اہلِ حدیث'' میں مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں مقالات لکھتے اور اجتماعات میں پاکستان کے محاسن بیان کرتے۔ انھوں نے بالخصوص اہلِ حدیث

حضرات کو ترغیب دی کہ وہ اجتماعی طور پر تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ آپ کی تحریک پر میں جماعت اہلِ حدیث کلکتہ کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان کانفرنس مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۵ھ) کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کی تجویز پر اتفاق رائے سے فیصلہ ہوا کہ جماعت اہلِ حدیث مسلم لیگ سے متفق ہے اور مسلم لیگ میں شمولیت میں نہ صرف جماعتی مفاد سمجھتی ہے، بلکہ اسے اسلامیانِ ہند کی واحد نمایندہ جماعت تسلیم کرتی ہے۔

مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کو ۱۹۱۸ء میں قائد اعظم سے ملنے کا موقع ملا اور ۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر میں تو مولانا خود صدرِ مجلس استقبالیہ تھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی 40 سالہ سیاسی زندگی میں ہمیشہ قائد اعظم کی حمایت کی۔ مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ حکم مشرق علامہ اقبال کے بھی بہت مداح تھے۔ علامہ اقبال نے اسلامی قومیت کا جو تصور پیش کیا تھا، مولانا اس کے بہت پُرجوش داعی تھے۔ مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کی یہ رائے تھی کہ مسلمان ایک مستقل اور جداگانہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ متحدہ قومیت کے سخت مخالف تھے۔

مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ ایک خوش نوا خطیب، مفسر اور مناظر ہونے کے علاوہ بہترین ادیب اور صحافی بھی تھے۔ ۱۹۰۰ء میں اخبار ''مسلمان'' نکال کر صحافت کا آغاز کیا اور ۱۹۰۳ء میں اخبار ''اہل حدیث'' جاری کیا جو ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ مولانا ایک کامیاب اور بلند پایہ مفسر قرآن تھے۔ آپ نے ایک تفسیر عربی میں ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' اور ایک اُردو میں ''تفسیر ثنائی'' کے نام سے 8 جلدوں میں لکھی۔ آپ کی عربی تفسیر اسلامی ممالک میں بے حد پسند کی گئی۔ اتحاد عالم اسلامی کے سلسلے میں بھی آپ کی خدمات گراں قدر ہیں۔ ۱۹۲۶ء کے موتمر عالم اسلامی کے جلسہ منعقدہ مکہ معظّمہ میں بھی آپ نے شرکت کی تھی۔

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا تو مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ نے امرتسر کو خیر باد کہہ کر پاکستان کی طرف ہجرت کی۔ ۱۳/ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ کے اکلوتے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ شہید ہوئے۔ آپ نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ اور امرتسر میں ان کو سپرد خاک کیا گیا۔

آپ امرتسر سے لاہور آئے۔ لاہور میں چند روز قیام کے بعد مولانا اسماعیل السّلفی (م ۱۳۸۷ھ) کی تحریک پر گوجرانوالہ تشریف لے گئے اور اس کے بعد آپ سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے۔ جہاں آپ کو آپ کے ثنائی پریس امرتسر کے بدلے ایک پریس الاٹ ہوا تھا۔ فروری ۱۹۴۸ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا ہے اور ۱۵/ مارچ ۱۹۴۸ء کو آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ إِنّا للّٰه وإنا إليه راجعون .

مولانا محمد ابراھیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو عجیب و غریب صفات سے نوازا ہے، وہ گونا گوں اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں مولانا محمد ابراہم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کا بھی شمار ہوتا ہے وہ بلند پایہ عالم دین، شعلہ بیاں خطیب، سحر طراز ادیب، مناظر، محقق، مصنف اور پر جوش قومی کارکن تھے۔ خاندانِ ولی اللّٰہی کے گلِ سر سبد حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور ان کی تصنیفات و تالیفات نے عقائد کی تصحیح، رسوم کی اصلاح اور بہت سے دینی و مذہبی مفاسد کے ازالہ کے ساتھ مُردہ سُنّتوں کے احیاء کا بھی علم بلند کیا۔

ان کے بعد حدیث کی نشر و اشاعت میں حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۳۲۰ھ) کی مساعیِ جمیلہ کا بہت دخل ہے۔ آپ نے اپنے وسیع حلقہ درسِ حدیث اور اپنے لامحدود تلانذہ کے ذریعے اس فیض کو پورے ہندوستان میں عام کر دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ اور تحریک اہلِ حدیث کے دوسرے تمام اکابرین کو اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دی کہ انھوں نے طعن و تشنیع کی پرواہ کیے بغیر احیائے سنت کے اس علم کو پوری طاقت کے ساتھ بلند رکھا۔

مولانا محمدابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کا شمار جماعت اہلِ حدیث کے اکابرین میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی جماعت اہلِ حدیث کی ترقی و ترویج میں بسر کی۔ اپنے مسلک کی ترقی و ترویج میں آپ کا بہت ہاتھ ہے اور اس کا زندہ ثبوت آپ کی مایہ ناز علمی کتاب تاریخ اہلِ حدیث ہے۔ مولانا محمدابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ

۱۸۷۴ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد سیٹھ غلام قادر کا شمار شہر کے روسا میں ہوتا تھا۔ پہلے آپ سکول میں داخل ہوئے، پھر میٹرک کے بعد مرے کالج سے انگریزی تعلیم ایف اے تک حاصل کی۔ اس کے بعد کالج کی تعلیم کو خیر باد کہہ کر مذہبی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابتداء کچھ مذہبی تعلیم حاصل کی تھی، مزید تعلیم کے لیے استاذِ پنجاب مولانا حافظ عبد المنان صاحب محدث وزیر آبادی رحمہ اللہ (م ۱۳۳۴ھ) کی خدمت میں وزیر آباد حاضر ہوئے۔

اور آپ سے جملہ علوم و فنون میں مکمل تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۳۲۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند و اجازہ حدیث حاصل کی۔

۱۹۱۶ء میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ تشریف لائے اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس کے ساتھ ''الہادی'' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا اور اس دور میں پنجاب میں عیسائیت کا بہت زور تھا جس کو مرزا غلام احمد کی مسیحیت جدید (قادیان) مزید تقویت پہنچا رہی تھی، الہادی نے ان دونوں کے خلاف محاذ قائم کیا۔

مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ مشہور مناظر بھی تھے لہٰذا تقریر وتحریر کے اس شہوار نے اپنی زندگی میں بیسیوں مناظرے کیے۔ آپ علم کا سمندر تھے جس فرقہ کی طرف سے مناظرہ کا چیلنج ہوتا فوراً اس کو قبول کر لیتے۔ مصلحین اُمت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ، سید احمد شہید رحمہ اللہ، مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ ائمۂ سلف نے اسلام کی جو تبلیغ کی ہے اور تبلیغ کا جو طریقہ بتایا ہے اگر اس کو اپنا لیا جائے تو یہی اسلام کی کامیابی ہے۔

مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ قلم کے بھی دھنی تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد 70 کے قریب ہے، ان کی ہر کتاب ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے اور علمی لحاظ سے ایک خاص مقام کی حامل ہے۔ سورۃ الفاتحہ کی ایک بسیط تفسیر واضح البیان کے نام سے لکھی ہے، اتنی بسیط تفسیر آج تک نہیں لکھی گئی، اپنے موضوع پر یہ ایک جامع تفسیر ہے۔ قادیانیت کی تردید میں آپ کی کتاب شہادت القرآن ایک لاجواب کتاب ہے جو جلدوں میں ہے اور جس میں صرف آیت قرآنی: ﴿ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ ﴾ [آل عمران: ۵۵] کی تفسیر ہے۔ قادیانی مصنف آج تک اس کتاب کا جواب نہیں دے سکے۔ یہ کتاب مرزا قادیانی کے لیے پیغامِ اجل ثابت ہوئی۔

تاریخ اہلِ حدیث آپ کی بے نظیر علمی کتاب ہے جس میں مسلک اہلِ حدیث کی تاریخ، تاریخِ تدوینِ حدیث پر محققانہ تبصرہ اور ائمۂ دین کے سوانحی خاکے ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ کو پورے برصغیر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ برصغیر کے ممتاز علمائے کرام آپ کی قدر اور عزت کرتے تھے۔ مؤرخِ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ آپ کے علم کے معترف تھے اور آپ کے فضل و کمال کے مداح تھے۔ ایک دفعہ آپ آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس مئو ناتھ بھجن ضلع اعظم گڑھ (ہند) میں تشریف لے گئے تو مولانا سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے آپ کو تار بھیجا کہ واپسی پر اعظم گڑھ ضرور تشریف لائیں۔ مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ کے اعظم گڑھ پہنچنے کے سلسلے میں مولانا ابوعلی اثری رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ لکھتے ہیں:

> ''ان سے اس درجہ ارادت تھی کہ ان کی آمد پر سید صاحب قبلہ نے خود اپنے ہاتھوں سے مہمان خانہ، فرش فروش، میز کرسی اور دوسرے سامان آرایش سے سجایا تھا۔ جب موصوف کی گاڑی مہمان خان کے سامنے پہنچی تو آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ دیر تک بغل گیر رہے۔ خود ہی سامان اتروایا

اور گاڑی کا کرایہ بھی اپنی جیب سے ادا کیا۔ یہ منظر بڑا پر اثر اور قابلِ دید تھا۔'' (ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور۔ ۱۶/ مارچ ۱۹۵۶ء)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ جیسا عالم، جس کی بلند پایہ تصنیفات، تالیفات اور محققانہ مقالات و مضامین کی ساری دنیا میں دھوم تھی جو ایک طرف مستشرقینِ یورپ سے اپنی تحقیقاتِ عالیہ کی داد لیتا تھا اور دوسری طرف اپنی انشاء پردازی، علمی تبحر اور تفقہ و اجتہاد پر عالمِ اسلامی سے خراجِ تحسین وصول کرتا تھا جو جمعیت علمائے ہند کا صدر نشین، ندوہ کی کائناتِ علم کا حاصل اور شبلی کے علوم و معارف کا حامل تھا۔ اس نے اس والہانہ عقیدت سے مولانا مرحوم کا استقبال کیا، جیسے ایک احسان مند اور فرمانبردار شاگرد استاد کا استقبال کرتا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم مرحوم ایک صاف گو انسان تھے وہ اپنے جماعتی رفقاء بھی ان کے روبرو تنقید کرتے۔ اس معاملے میں کسی قسم کی مداہنت کے روا دار نہ تھے چونکہ لوگ بالعموم ان کی دیانت، خلوص اور طبیعت سے واقف تھے اس لیے تنقید کو اس کی روشنی میں خوشی خوشی سنتے اور برداشت کرتے۔ تحریک آزادی اور سیاست میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کا ایک خاص مقام ہے۔ ۱۹۱۶ء میں آپ نے تعلیم مکمل کی اور ۱۹۱۹ء میں جب جلیانوالہ باغ امرتسر خونی ڈرامہ کھیلا گیا کیا گیا تو مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ بھی اس سے متاثر ہوئے اور آپ نے اسلام کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست کی طرف بھی توجہ کی۔ ۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ کا جو اجلاس امرتسر میں حکیم اجمل خان کی صدارت میں منعقد ہوا جس کے صدر استقبالیہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تھے۔ مولانا محمد ابراہیم میر رحمہ اللہ اس جلسے میں شریک تھے۔ ۱۹۳۰ء میں جو تاریخی جلسہ علامہ اقبال کی صدارت میں الہ آباد میں منعقد ہوا تھا جس

میں حکیم مشرق نے ایک اسلامی ریاست کا تصور پیش کیا تھا اس میں مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ نے شرکت کی۔ ۱۹۴۰ء میں لاہور کے اس تاریخی جلسے میں بھی مولانا میر رحمہ اللہ شریک تھے، جس میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی۔

۱۹۴۶ء میں کلکتہ میں جماعت اہلِ حدیث کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت کے فرائض مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے سرانجام دیے۔ اسی اجلاس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے مسلم لیگ سے اتفاق وتعاون کا اظہار کیا اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے ان کی تجویز پر صاد کیا۔ اس طرح مسلم لیگ کو برصغیر کے گوشے گوشے سے مخلص سیاسی کارکن بھی میسر آئے۔ جب پاکستان قائم ہوا تو مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اس کا خیر مقدم کیا۔

تحریری خدمات میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ آپ نے اپنے اکثر مضامین تحریک پاکستان کی حمایت میں سپردِ قلم کیے جو ملک کے مقتدر اخبارات میں شائع ہوئے۔ یہ علمی مضامین بعد میں کتابی صورت میں پیغامِ ہدایت اور تائید مسلم لیگ کے نام سے چھپے۔ آپ نے پشاور سے لے کر راس کماری تک پورے ملک کا طوفانی دورہ بھی کیا اور تحریکِ پاکستان سے پورے ملک کے عوام کو آگاہ کیا۔

مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ کے حضرت علامہ اقبال سے بھی گہرے مراسم تھے، وہ حکیم مشرق کی دل آویز شخصیت اور ان کی گراں قدر علمی خدمات کے مداح تھے۔ مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ حضرت علامہ کے ہم وطن بھی تھے اور ان کے فکر وفن کے مداح اور معترف بھی تھے۔ علامہ اقبال نے حجازی لَے میں جو شاعری کی تھی وہ مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ کو بہت پسند تھی گاہے گاہے اپنی تقاریر میں علامہ اقبال کے اشعار پڑھتے

اور سامعین میں جذبہ اور ولولہ پیدا کرتے۔ آپ تحریک آزادی کے بہت مخلص اور ایثار پیشہ کارکن تھے۔ آپ نے 30 سال تک تحریک آزادی کے لیے کام کیا، آپ کے کارنامے تحریک آزادی کا سرمایہ افتخار ہیں۔

مولانا مرحوم بڑی دل آویز شخصیت کے حامل تھے۔ نگہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پرسوز رکھتے تھے۔ آپ کا دائرۂ علم وفضل بڑا وسیع تھا۔ اردو، انگریزی، عربی اور فارسی زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ ہمہ جہت مطالعے کا یہ عالم تھا کہ جب کسی مسئلے پر گفتگو کرتے تو اس پر بڑا سیر حاصل تبصرہ ہوتا۔ حق گوئی ان کی تقریر کی سب سے بڑی خوبی تھی۔ جو بات بھی ان کے دل میں ہوتی وہ زبان پر لے آتے۔ اس طرح ان کی تقریر بے حد پسند کی جاتی۔ مولانا میر رحمہ اللہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے دست راست تھے اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے انتقال کا آپ کو بہت صدمہ ہو۔ ۱۹۴۸ء سے ہی آپ بیمار اور کمزور رہنے لگے، تاہم تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ کی صحت گرتی گئی۔ بالآخر آپ نے ۱۲/ جنوری ۱۹۵۶ء کو انتقال فرمایا۔ اللھم اغفر له وارحمه.

مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ

مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ بڑے آتش نوا خطیب تھے، جب وہ کسی جلسے سے خطاب کرتے تو ایک سماں بندھ جاتا۔ حاضرین میں جوش وخروش پیدا ہو جاتا۔ مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کا شمار ملک کے نامور مقررین میں ہوتا تھا، وہ بڑے فصیح البیان خطیب تھے۔ ان کی زبان میں دریا کی روانی، تلوار کی کاٹ اور صبا کی لطافت تھی۔ ان کی تقریر میں بلا کا درد اور سوز ہوتا تھا وہ نہ صرف زبردست دینی خطیب تھے بلکہ بلند پایہ عوامی مقرر بھی تھے، مولانا کی تقریر بڑی جامع اور حُسن بیان کے ساتھ ساتھ معانی سے بھی مالا مال ہوا کرتی تھی۔

مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ انھیں تمام درسی کتابوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ صرف، نحو، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، ادب، لغت اور معانی میں دسترس رکھتے تھے۔ مولانا کو قرآن وحدیث اور فقہ میں بڑی گہری بصیرت حاصل تھی۔ مولانا غزنوی رحمہ اللہ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ وہ دین کی حقیقی روح سے آشنا تھے اور عصر حاضر کے تقاضوں سے خوب واقف تھے۔ مولانا کی رائے میں مسلک اہلِ حدیث سے مراد اسلام کا مکمل نظام حیات ہے۔ جس میں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق میں خیر داخل ہو اور اس شرط کے ساتھ کہ ہم اس نظامِ حیات کو براہِ راست کتاب وسنت اور سلف کی تصریحات سے اخذ کریں۔

مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ برصغیر پاک وہند کے ایک بلند علمی مجاہد خانوادہ

(غزنوی خاندان) سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ مولانا سید عبداللہ الغزنوی رحمہ اللہ (م ۱۲۹۸ھ) کے پوتے اور حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ (م ۱۳۳۱ھ) کے بڑے صاحبزادے تھے۔ مولانا عبداللہ الغزنوی رحمہ اللہ للّٰہیت، تقویٰ اور علمِ دین میں یکتائے روزگار تھے۔ مولانا حکیم سید عبدالحئ حسنی (م ۱۳۴۱ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن محمد بن محمد شریف الغزنوی شیخ تھے، امام تھے، عالم تھے، زاہد تھے، مجاہد تھے، رضائے الٰہی کے حصول میں کوشاں تھے۔ اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان اپنا گھر بار اپنا مال اپنا وطن (نزهة الخواطر: ۷/ ۳۰۲) سب کچھ لٹا دینے والے تھے علمائے سُو کے خلاف ان کے معرکے مشہور ہیں۔

حضرت والا جاہ محی السنہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

”چرخ اگر ہزار چرخ زند مشکل کہ چنیں ذات جامع کمالات بر روئے ظہور آرد ہم محدث بود و ہم محدث“

”آسمان اگر ہزار بار بھی گردش کرے تو مشکل ہے کہ اب ایسی جامع کمالات ہستی معرض وجود میں آئے، وہ محدث بھی تھے اور اللہ سے ہم کلامی کا شرف بھی انھیں حاصل تھا۔“ (تقصار من تذکار جیود والاحرار)

آپ کے والدِ محترم حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کا شمار بھی اولیاء میں ہوتا ہے۔ مولانا سید عبدالحئ حسنی آپ کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

”وہ ۱۲۶۸ھ میں غزنی میں پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ غزنوی سے مدتوں روحانی اور علمی فیض حاصل کیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا محمد اور مولانا احمد سے حاصل کی، پھر آپ دہلی تشریف لے گئے اور میاں

سیدنذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے حدیث کی کتابوں کی سند حاصل کی۔ ان کی عمر 30 برس بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ علومِ متداول سے فارغ ہو چکے تھے۔ بہت ذہین تھے، مطالعہ بہت کرتے تھے۔

فہم و فراست سے انھیں حصہ وافر ملا تھا۔ امرتسر میں قرآن وحدیث کی تدریس کے شغل ہی میں منہمک رہتے تھے، دنیا واہلِ دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے، اللہ کی عبادت میں مصروف اور مخلوق کو اللہ کی طرف بلانے میں مشغول رہتے۔ اللہ کا ذکر بڑی باقاعدگی اور یکسوئی سے کرتے اور ذکر کے دوران پر بڑی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ میں نے امرتسر میں ان کی کئی بار زیارت کی ہے۔ میں نے انھیں سلف صالحین کے مسلک پر پایا۔ وہ علمائے ربانی میں سے تھے۔ فتویٰ دیتے وقت وہ کسی معین فقہی مسلک کا التزام تو نہ کرتے تھے۔ ان کا ذکر ہمیشہ اچھے الفاظ سے کرتے جمعۃ الوداع، رمضان کے مہینہ ھ میں وفات پائی۔ (نزھۃ الخواطر: ۸/ ۱۲۸۔ ۲۱۹)

مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ ۱۸۹۵ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ (م۱۳۱۳ھ) اور مولانا سید عبدالاوّل غزنوی رحمہ اللہ (۱۳۱۳ھ) سے حاصل کی۔

بعد ازاں دہلی جاکر بعد ازاں دہلی جا کر حضرت مولانا سید عبد اللہ صاحب محدث غازی پوری رحمہ اللہ (م ۱۳۳۷ھ) سے علمِ حدیث پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ علومِ عقلی میں مولانا سیف الرحمٰن کابلی سے استفادہ کیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد امرتسر واپس آ کر تفسیر وحدیث کا سبق دینے لگے اور ایک عرصے تک کتاب وسنت کے چشمے سے تشنگانِ علمِ دین کی پیاس بجھاتے رہے

درس وتدریس سے شغف زندگی بھر رہا۔ نیز مسجد چینیاں والی لاہور میں باقاعدہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب انھیں موقع ملتا مدرسہ تقویۃ الاسلام لاہور میں حدیث کی مشہور کتاب موطأ امام مالک کا درس دیتے۔ مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ نے اپنے درس میں اس وقار اور عظمت کو برقرار رکھا جو حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی شخصیت کا طرۂ امتیاز تھا۔ دورانِ درس پورے جاہ وجلال کے ساتھ تشریف رکھتے۔

مولانا مرحوم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے علم وفضل کے بڑے معترف تھے۔ انھوں نے "حجة الله البالغه" کا درس بھی دیا۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ "حجة الله البالغه" کا درس بڑا مشکل کام ہے اور کوئی بڑا عالم ہی اس فرض کو انجام دے سکتا ہے۔ اسی طرح آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب "الفوز الکبیر" بھی بڑے ذوق وشوق سے پڑھاتے۔

مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے گہری عقیدت تھی۔ لاہور میں جو سیرت کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں تمام مکتب فکر کے علمائے کرام نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا تھا۔ آپ نے اس کانفرنس میں "اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کی تشریح جس انداز سے کی تھی، اس کی یاد آج بھی تازہ ہے، وہ تقریر کر رہے تھے اور جلسہ گاہ میں انوار کی بارش ہو رہی تھی۔ اُن کے دل سے خلوص ومحبت کا چشمہ اُبل رہا تھا۔

مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ اسلام کی حقیقی روح سے آشنا تھے۔ اسلام جو اخوت کا مذہب ہے، اس میں فرقہ بندی کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ مولانا جمعیت اہلِ حدیث کے امیر تھے، مگر بڑے وسیع المشرب مسلمان تھے۔ فرقہ بندی کو کبھی پسند نہیں کیا اور نہ ہی آپ تنقید کے قائل تھے۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ اتحادِ بین المسلمین کے سب سے بڑے حامی تھے۔ آپ کے اس جذبے کے پیشِ نظر تمام

مکاتبِ فکر کے علمائے کرام آپ کا احترام کرتے تھے۔ مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ ایک بہت بڑے عالم، خطیب، محقق ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑے صحافی بھی تھے۔ آپ نے یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو امرتسر سے ہفتہ وار ''توحید'' جاری کیا اور اس کے پہلے شمارے میں سرورق پر جلی حروف میں ایک دعا لکھی جس کا ترجمہ یہ ہے: اے پروردگار! جس راستے پر میں نے قدم رکھا ہے اور جو سفر میں نے اختیار کیا ہے، اس میں مجھے بہتر مقام تک پہنچائیو اور تمام مشکلات اور مخالف طاقتوں کے ہجوم سے بہتر طریق پر نکالیو، میں عاجز، کمزور اور نحیف و ناتواں ہوں مگر تو اپنی نصرت و اعانت سے اس کارزارِ حق و باطل میں فتح و غلبہ دیجیو۔'' (آمین)

اس شمارے میں آپ نے حکیمِ مشرق علامہ اقبال کی نظم بھی شائع کی جس کا مطلع حسبِ ذیل ہے:

ہم نشیں مسلم ہوں میں، توحید کا حامل ہوں میں
اس صداقت پر ازل سے شاہد عادل ہوں میں

''توحید'' میں اگرچہ علمی و ادبی مضامین بھی ہوتے تھے لیکن اس کا اولین مقصد دعوت الی اللہ تھا۔ مولانا کا اندازِ تحریر مولانا ابو الکلام آزاد سے متاثر تھا۔ اس میں خطیبانہ شکوہ تھا۔ ''توحید'' کے مضامین پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے کوئی صورِ اسرافیل ہاتھ میں لے کر سوئے ہوئے انسانوں کو خوابِ غفلت سے چونکا رہا ہے اور مردہ انسانوں کے اندر زندگی کی روح پھونک رہا ہے۔ مولانا کی تحریر بڑی ولولہ انگیز ہوا کرتی تھی، مولانا نے ''توحید'' میں علمی اور تحقیقی مضامین بھی سپرد قلم کیے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں زبان وقلم کی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ نے ان صلاحیتوں کو قوم وملت کی خدمت میں صرف کر دیا۔

۱۹۱۹ء میں امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں خون کی ہولی کھیلی گئی جس میں

ہزاروں افراد انگریز کی گولیوں کا نشانہ بنے اس حادثۂ فاجعہ نے مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ کو میدان سیاست میں آنے پر مجبور کیا اور آپ کی شخصیت سے متاثر ہوکر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے بھی میدان سیاست میں قدم رکھا۔

۱۹۱۹ء امرتسر میں مسلم لیگ، خلافت اور کانگریس کے جو عظیم الشان اجتماعات ہوئے۔ ان تینوں میں مولانا غزنوی نے شرکت کی جمعیت علمائے ہند کی تاسیس ہوئی تو اس کی تاسیس وتشکیل میں موثر کردار ادا کیا۔ ابتداء میں مجلسِ عاملہ کے رکن تھے، پھر مدتوں نائب صدر رہے، غرضیکہ وہ ملکی سیاسیات میں پیش پیش تھے۔ اور دار ورسن کو دعوت دے رہے تھے۔ انھیں جلد ہی سنّتِ یوسفی پر عمل پیرا ہونے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ ۱۹۲۱ء میں تین سال کے لیے میانوالی جیل میں نظر بند ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں دوسری بار جیل گئے۔ ۱۹۲۷ء میں تیسری بار قید ہوئے۔ ۱۹۴۲ء مجلسِ احرار کی تحریک میں گرفتار ہوئے اور آخری بار ۱۹۴۲ء کانگریس کی تحریک ''ہندوستان چھوڑ دو'' میں جیل گئے اور 3 سال قید رہے۔

گویا مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کی جوانی اور زندگی کا زیادہ حصہ قید وبند میں گزرا۔ مولانا غزنوی رحمہ اللہ کانگریس کے جلیل القدر راہنما تھے اور پنجاب کانگریس کمیٹی کے صدر تھے۔ جون ۱۹۴۶ء میں دہلی میں قوم پرست مسلمانوں کا اجتماع ہوا جس میں مولانا بھی شریک تھے۔ قوم پرست مسلمانوں نے مسلمانوں کی مساوی نیابت کا مطالبہ پیش کیا۔ کانگریس نے قوم پرست مسلمانوں کے اس مطالبے کو نظر انداز کر دیا۔ وزارتی مشن کے سامنے کانگریس نے جو مطالبے کے وہ قوم پرست مسلمانوں کے مطالبات کی ضد تھے۔

اس صورتِ حال نے مولانا غزنوی رحمہ اللہ پر کانگریس کی حقیقت آشکار کر دی اور انھوں نے کانگریس سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ لہٰذا ۱۷/ اگست ۱۹۴۶ء کو مولانا نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا اور ایک اخباری بیان میں قوم پرست

مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ کانگریس کی مسلم کش روش کے پیشِ نظر مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کے اس اعلان سے کانگریس کے ایوان میں زلزلہ آ گیا اور ان کے ہاں صف ماتم بچھ گئی۔ مولانا مشہور عالم، معروف سیاسی راہنماء اور پنجاب کانگریس کے صدر تھے۔ مسلم لیگ کے حلقوں نے مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ مولانا کی تابناک شخصیت میں دل آویز یک رنگی تھی، وہ مرد قلندر تھے۔ ان کی زبان ان کے دل کی رفیق تھی۔ جب وہ کسی کام کا عزم کرتے تو اس میں دل وجان سے منہمک ہو جاتے۔ مسلم لیگ میں شامل ہوئے تو ان کے شب وروز تحریک پاکستان کے لیے وقف ہو گئے۔ انھوں نے برصغیر پاک وہند کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور عوام کو کانگریس کے بارے میں صحیح حقائق سے آگاہ کیا۔

پنجاب کی سیاسی تاریخ میں مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ برطانوی سامراج اور کانگریس کی ساختہ پرداختہ غیر نمایندہ وزارت کے خلاف اسلامیانِ پنجاب نے جو بھرپور عوامی تحریک منظّم کی، پنجاب کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس تحریک میں علماء، مشائخ، خواتین اور طلباء نے بڑا عہد آفرین کردار ادا کیا۔ چنانچہ حکومت کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ پبلک سیفٹی ایکٹ منسوخ کر دیا گیا، جلسوں اور جلوسوں سے پابندیاں ہٹا لی گئیں، نظر بندوں کو رہا کر دیا گیا اور اسی طرح یہ تحریک پنجاب کی تاریخ میں سب سے بڑی تحریک قرار پائی جو مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ کے قیادت کی رہینِ منت تھی۔ مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ، ذہانت اور فراست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے حریفوں کو گفتگو کے میدان میں شکست دی۔ عام طور پر مسلمان میدان جنگ میں تو جیت جاتے ہیں مگر گفتگو میں اکثر مار کھا جاتے ہیں۔ مولانا غزنوی رحمہ اللہ دونوں میدانوں میں یکتائے روزگار تھے، بڑے بڑے لیڈران سے گفتگو کرنے سے گھبراتے تھے۔

مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ نے اس دوران قائد اعظم محمد علی جناح سے بھی کراچی جا کر گفتگو کی اور تحریک کے بارے میں تفصیل سے انھیں آگاہ کیا جو آپ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ برصغیر میں سول نافرمانی کی یہ اولین تحریک تھی جو کامیاب ہوئی، گاندھی جی نے کئی تحریکات چلائیں؛ ترکِ موالات کی تحریک، نمک ساتری کی تحریک، ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک، مگر گاندھی جی کو کسی ایک تحریک میں بھی کامیابی نہیں ہوئی، اس کے برعکس پنجاب کے مسلمانوں کی سول نافرمانی کی تحریک کامیاب ہوئی۔ اس کا سہرا مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کے سر تھا۔

مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کی ذہانت، فراست، نظامت اور قیادت کو مسلمان لیڈروں نے تسلیم کیا۔ چنانچہ مسلم لیگ کی جانب سے ہندوستان کی مجلس دستور ساز کے لیے مولانا غزنوی رحمہ اللہ کو منتخب کیا گیا اور آپ دہلی مع اہل و عیال تشریف لے گئے۔ دہلی میں فسادات شروع ہوگئے مگر مولانا بفضلہٖ تعالیٰ ان فسادات میں محفوظ رہے اور بخیر و عافیت لاہور پہنچ گئے۔

تحریک ختمِ نبوت میں بھی مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ نے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ مولانا مجلس عمل کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ تحقیقاتی عدالت میں جو جسٹس منیر اور جسٹس ایم آر کیانی کی پر مشتمل تھی۔ آپ نے جس خوش اسلوبی سے مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ پیش کیا، وہ آپ ہی کا حصہ تھا اور آپ کے دلائل سن کر جسٹس کیانی حیران رہ گئے اور انھوں نے مولانا غزنوی رحمہ اللہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میرے بس میں ہوتا تو میں آپ کو وکالت کا لائسنس دیتا، میں آپ کے دلائل سے بہت متاثر اور مستفید ہوا ہوں۔ جسٹس منیر اپنی جرح میں کوشش کرتے تھے کہ مسلمانوں کے اختلافات اور تکفیر پر زور دیا جائے چنانچہ انھوں نے اس قسم کے کئی ایک سے سوالات کیے۔

مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ ذہانت اور فطانت میں جسٹس منیر سے برتر تھے،

انہوں نے ایسے مسکت ہی جوابات دیے کہ جسٹس منیر دیکھتے رہ گئے۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کا اعلان ہوا تھا، زبانیں گنگ تھیں، ہر طرف سناٹا اور دہشت تھی۔ مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ نے آوازۂ حق وصداقت بلند کیا۔

فروری ۱۹۶۰ء میں سابق صدر ایوب خان نے آئینی کمیشن مقرر کیا۔ اس کمیشن کی جانب سے چالیس سوالات پر مشتمل سوال نامہ جاری کیا گیا۔ مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ نے دیگر علماء کے تعاون سے جامعہ اشرفیہ لاہور میں اجلاس کا انعقاد کیا اور جوابات کا مسودہ مولانا مودودی رحمہ اللہ اور مولانا غزنوی رحمہ اللہ نے مرتب کیا۔ اس میں مکمل جمہوریت اور پارلیمانی نظامِ حکومت کے قیام کی سفارش کی گئی تھی۔

صدر ایوب خان نے مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کو ملاقات کے لیے بلایا۔ مولانا اپنے ساتھی علماء سمیت صدر ایوب سے ملے۔ ایوب خان نے دستور کے بارے میں ان کی رائے طلب کی مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ نے دستور کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور واضح الفاظ میں ایوب خان سے کہا: میری رائے میں دستور نہ تو اسلامی ہے اور نہ جمہوری؛ صدر ایوب یہ جرأت مندانہ جواب سن کر خاموش ہو گئے اور گفتگو کا پہلو بدل دیا۔

مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ نے بڑی بھرپور زندگی گزاری۔ سالہا سال قید و بند کے مصائب برداشت کیے۔ گوناگوں مصروفیات نے ان کی صحت کو متاثر کیا۔ ۱۹۶۲ء میں شاہ سعود کی دعوت پر مولانا سعودی تقریب تشریف لے گئے، شاہ سعود اور ان کے خاندان کو غزنوی خاندان سے بڑی عقیدت تھی۔ شاہ سعود مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں وہ سرکاری مہمان کی حیثیت سے مقیم تھے کہ ان کو دل کا شدید دورہ پڑا۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ بھی مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ ان کو جب پتا چلا تو فوراً مولانا غزنوی رحمہ اللہ کے پاس پہنچے طبی امداد کا بندوبست کیا۔ جب

تک افاقہ نہ ہوا، مولانا کے پاس بیٹھے رہے اور بعد میں بھی روزانہ مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جاتے۔ مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ، مولانا مودودی رحمہ اللہ کی اس دل نوازی کے بے حد ممنون اور سپاس گزار تھے۔ مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کو دل کا عارضہ تھا۔ خون گاڑھا ہو جانے کی وجہ سے دل میں درد کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

کبھی افاقہ ہو جاتا کبھی بیماری میں اضافہ ہو جاتا۔ آخر اس مرد درویش نے ۱۶/دسمبر ۱۹۶۳ء کو صبح نو بجے انتقال کیا۔ اگلے روز جنازہ اٹھایا گیا۔ ہزاروں انسانوں کا ہجوم تھا۔ ہر فرقہ اور مسلک کے لوگ تھے۔ یونیورسٹی گراؤنڈ میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور میانی کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ اللهم اغفر وارحمه وادخله في الجنة الفردوس.